محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا کافی نہیں ایمان لانے کے تقاضوں کو پورا کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ ؍فروری ۱۹۷۰ء بمقام مسجد مبارک ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے قرآنِ مجید کی یہ آیات پڑھیں:-

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (التوبة: ۲۰ تا ۲۲)

اس کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

گزشتہ خطبہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ انسانی فطرت میں یہ جوش ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ لامتناہی ترقیات کی متلاشی رہے۔ کسی ایک جگہ پر ٹھہر جانا اُسے پسند نہیں ہے جب فطرت کا یہ رجحان اور یہ جوش غلط راستہ پر گامزن ہو جاتا ہے مثلاً دُنیوی مال اور دولت کا لالچ پیدا ہو جاتا ہے تو اس قسم کا حریص انسان کسی مقام پر بھی ٹھہرنا پسند نہیں کرتا اگر اس کے پاس لاکھ روپیہ ہو جائے تو وہ کروڑ جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر سو انسانوں کا خون چُوس کر اس نے روپیہ جمع کیا ہو تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ مَیں ہزار انسانوں کا خون چوسوں اور اپنی دولت میں زیادتی کروں۔ بہرحال یہ حرص بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اِس دُنیا کی یا اُس دُنیا کی ہلاکت

تک اس شخص کو پہنچا دیتی ہے۔

اگر اقتدار کا جنون سوار ہو تو ایسا انسان تمام حقوق پامال کرتا چلا جاتا ہے اور کہیں اسے قرار نہیں آتا لیکن جب فطرت صحیحہ ہو اور حقیقی خوشی اور لذت اللہ تعالیٰ کے قرب میں پائی جائے تو انسان یہ خواہش رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قُرب حاصل کرتا چلا جائے۔ دُنیا کی دولتیں اور دُنیا کی جاہ وحشمت تو محدود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قُرب اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے جلوے غیر محدود ہیں کسی جہت سے بھی اُن کا احاطہ اور ان کی حد بست نہیں کی جاسکتی۔ پس جس وقت انسان روحانی میدانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف حرکت کرتے ہوئے اس کے قُرب کے حصول کے لئے بڑھ رہا ہوتا ہے تو یہی کوشش ایسی ہوتی ہے کہ جو فطرت کے اس تقاضا کو پوری کر سکے کہ اُسے غیر متناہی ترقیات چاہئیں اور اُسی کی جستجو میں وہ ہمہ وقت مشغول رہے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے آخر میں یہ فرمایا ’’اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ‘‘(التوبۃ:۲۲) کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایک ایسی ذات ہے کہ جب وہ اجر دینے لگے نیکیوں کا، جب قبول کرنے لگے تمہارے مجاہدات کو تو وہ اجر اتنا عظیم ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کوئی اجر تصور میں نہیں آسکتا۔ غرض اِن آیات میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم اپنی فطرت کی اِس خواہش کو، اِس Urge (ارج) کو پورا کرنا چاہتے ہو کہ غیر متناہی خوشیاں، غیر متناہی لذتیں، اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی (نہ ختم ہونے والی) رضا تمہیں حاصل ہو تو یہ چیز تمہیں صرف اللہ سے مل سکتی ہے، اس کی طرف تم رجوع کرو اگر تم بھٹک گئے، اگر تم نے صراط مستقیم کو چھوڑ دیا، اگر تم اس خواہش کو نہ سمجھے اور اس کی سیری کے لئے صحیح کوشش نہ کی تو دُنیا کی حرام کمائی بہت حد تک تمہیں مل جائے گی مگر وہ عظیم نہیں ہوگی۔ دُنیا کا اقتدار بھی شاید تم پا لو ایک وقت تک لیکن ہمیشہ کے لئے اور دُنیوی لحاظ سے بھی ایسی عزت تمہیں نہیں ملے گی کہ جو اتنی بڑی ہو کہ اس سے بڑھ کر تصور میں نہ آسکے وہ عزت، پیار کا وہ مقام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبت کے جلوے جو نہ ختم ہونے والے ہیں یہ ابدی اور لامتناہی اجر تم اللہ تعالیٰ کی آنکھ میں محبت کے جلووں ہی میں دیکھ سکتے ہو کہیں اور تمہیں نہیں مل سکتا۔

پس اجرِ عظیم کی خواہش انسان کے دل میں ہے اجرِ عظیم کا حصول انسان کے لئے ممکن قرار

دیا گیا ہے اور اجر عظیم اللہ کے در کے سوا کہیں اَور سے مل نہیں سکتا اس لئے اس در پر دُھونی رما کر بیٹھ جانا چاہئے وہیں سے ہمیں یہ اجر مل سکتا ہے۔اس اجر کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ان آیات میں بیان کی ہیں ایک ایمان، ایک ہجرت اور ایک مجاہدہ اور ان کے مقابلہ میں تین فضل اور تین قِسم کے انعام کا ذکر کیا ہے رحمت، رضوان اور جناتِ نعیم کا۔ایمان ایک عام لفظ ہے یعنی بڑا وسیع ہے اتنا وسیع کہ اسلام کے ہر حکم پر اس نے احاطہ کیا ہوا ہے ایمان کس پر لانا ہے اور ایمان کے تقاضے کیا ہیں اس کا تفصیل سے قرآن کریم میں ذکر پایا جاتا ہے اور ایمان کے مقابلے میں جو انعام رکھا گیا ہے وہ رحمت ہے۔ رحمت بھی اپنی وسعتوں میں بہت شان رکھتی ہے کیونکہ عربی لغت میں ہر قسم کے فضل اور انعام پر رحمت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ پس یہ فرمایا کہ تم ایمان لاؤ تمہیں میری رحمت نصیب ہو جائے گی پھر بتایا کہ ایمان جو ہے وہ دو شاخوں میں آگے تقسیم ہوتا ہے ایک کا تعلق ہجرت کے ساتھ ہے اور دوسری کا تعلق مجاہدہ کے ساتھ ہے جس ایمان کا تعلق ہجرت کے ساتھ ہے وہ تقاضا اگر پورا کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں جو انعام ملتا ہے وہ رضوانِ الٰہی ہے اور جس ایمان کا تعلق مجاہدہ کے ساتھ ہے اگر اس تقاضا کو پورا کیا جائے تو اس کے بدلے میں جو انعام ملتا ہے وہ جنّاتِ نعیم ہے۔میں نے بتایا ہے کہ ایمان ایک ایسا لفظ ہے جو تمام اسلامی تعلیم پر حاوی ہے اور اس کے ہمیں دو حصے کرنے پڑتے ہیں ایک وہ اعتقادات اور وہ احکام و اوامر جن پر ایمان لانا فرض قرار دیا گیا ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ نے بڑی تفصیل سے قرآن کریم میں یہ بیان کیا ہے کہ ایمان کے تقاضے کیا ہیں اس کے نتیجہ میں اللہ کی کونسی رحمت کے جلوے انسان دیکھتا ہے؟ اسی طرح ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ ہجرت کا صحیح مفہوم اور اس کے وسیع معنی جن معنی میں کہ اس کو قرآن کریم اور اسلام نے استعمال کیا ہے وہ کیا ہے؟

اور تیسرے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ مجاہدہ کسے کہتے ہیں؟ پھر ہمیں سمجھ آئے گا کہ ایمان کے مقابلے میں رحمت کو اور ہجرت کے مقابلے میں رضوان کو اور مجاہدہ کے مقابلے میں جنّاتِ نعیم کو کیوں رکھا گیا ہے۔

یہ مضمون تو اتنا وسیع ہے کہ اسلام کے سارے احکام سے اس کا تعلق ہے لیکن مَیں اس کا

جو پہلا حصہ ہے اُسے ایک خاص مقصد کے پیشِ نظر تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ ایمان کا یہ حصہ ہے کہ کن پر اور کس پر ایمان لانے کا حکم ہے جب خالی ایمان اٰمَنُوا یا اٰمِنُوا یا یُؤْمِنُوْن استعمال ہو تو اس میں ہر اُس چیز پر ایمان لانے کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی کسی دوسری جگہ فرمایا ہے۔ قرآن کریم پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایمان کے لفظ کو (یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا ہے) مختلف آیات میں بیان کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

”وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ“
(البقرۃ:۱۷۸)

فرمایا کہ مومنوں کو اللہ پر ایمان لانا چاہئے، یومِ آخر پر ایمان لانا چاہئے، ملائکہ پر ایمان لانا چاہئے، الکتاب پر ایمان لانا چاہئے اور انبیاء پر ایمان لانا چاہئے۔ پانچ چیزوں کا یہاں ذکر ہے سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا اِۨلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔“ (الاعراف: ۱۵۹)

اس آیت میں ایمان باللہ اور ایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ ایمان تو اَلنَّبِيّٖن پر بھی لانا ہے دوسری جگہ رُسل پر بھی ایمان لانے کا ذکر ہے لیکن ان انبیاء اور رُسل میں سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کر کے نمایاں طور پر ہمارے سامنے پیش کیا اور کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

” اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ“ (البقرۃ:۴)

کہ اَلْغَيْب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

”وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ۔“ (الاعراف:۱۵۷)

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے اور سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

”لِلَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ مَثَلُ السَّوْءِ۔“ (النحل:۶۱)

یہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے یہ مَیں آگے جا کر بتاؤں گا کہ یومِ آخر اور آخرت میں کوئی فرق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا ہے اگر نہیں پھر تو کیوں دو مختلف طریقوں پر ان کو استعمال کیا گیا ہے؟ غرض جب اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہا تو پہلا مطالبہ یہ کیا کہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں وہ لوگ جو یومِ آخر پر ایمان لاتے ہیں وہ لوگ جو ملائکہ پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ لوگ جو الکتاب پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ لوگ جو انبیاء پر ایمان لاتے ہیں وہ لوگ جو کتب سماوی پر ایمان لاتے ہیں ان کے لئے اسی طرح غیب پر ایمان لانا اور اسی طرح آخرت پر ایمان لانا اسی طرح بِآیات اللّٰہ ایمان لانا بھی واجب قرار دیا گیا ہے۔ پس اٰمَنُوْا میں یہ ساری چیزیں آ جائیں گی۔

اب جو چیز میرے نزدیک سمجھنی اور یاد رکھنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ محض زبان سے یہ کہہ دینا کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے یہ کافی نہیں ہے یا محض یہ کہہ دینا کہ ہم یومِ آخر پر ایمان لاتے ہیں یا آخرت پر ایمان لاتے ہیں یہ کافی نہیں ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ ہم تمام رُسل پر ایمان لاتے ہیں کافی نہیں ہے محض یہ کہہ دینا کہ ہم اُن تمام رُسل پر جو اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے اُس پر ایمان لاتے ہیں یہ کافی نہیں ہے محض یہ کہہ دینا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہم ایمان لاتے ہیں (یعنی صرف زبان کا اقرار) یہ کافی نہیں ہے محض یہ کہہ دینا کہ قرآن عظیم پر ہم ایمان رکھتے ہیں یہ کافی نہیں ہے محض یہ کہہ دینا کہ غیب پر ہم ایمان لاتے ہیں یہ کافی نہیں ہے محض یہ کہہ دینا کہ آیات اللہ پر ہم ایمان رکھتے ہیں کافی نہیں ہے تو پھر کیا تقاضا ہم سے کیا گیا ہے؟ مطالبہ ہم سے کیا ہے؟ یہ سوال ہوتا ہے مَیں نے بتایا ہے کہ محض زبان کا اقرار کافی نہیں اللہ پر ایمان تب مقبول ہوتا ہے جب اللہ پر ہم وہ ایمان لائیں جس کا قرآن کریم ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم ایمان لائیں کہ اللہ وہ ہے۔ اللہ وہ ہے۔ اگر ہم اللہ کو ایک ایسی ہستی سمجھیں کہ ساری احتیاجیں اور ضرورتیں صرف اس تک لے کر جانی چاہئیں جیسا کہ قرآن کریم نے کہا ہے تو یہ کافی ہو جائے گا، ایک حصہ اس کا، لیکن اگر ہم کہیں تو یہ کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ضرورت کے وقت ہم قبر کی طرف دوڑیں ضرورت کے وقت ہم کسی صاحبِ اقتدار کی

طرف دوڑیں ضرورت کے وقت ہم کسی مالدار کی طرف دوڑیں۔ ضرورت کے وقت ہم کسی ہوشیار سازشی آدمی کی طرف دوڑیں ضرورت کے وقت ہم کسی سفارش کی طرف دوڑیں۔ ضرورت کے وقت ہم رشوت کی طرف دوڑیں اور اس کے ساتھ یہ کہیں کہ ہم اس اللہ پر ایمان لاتے ہیں جسے قرآن کریم نے غنی کہا کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سارے اس کے محتاج ہیں اور جس کو صَمَدُ کہا ہے تو یہ دعویٰ غلط ہوگا پس ایمان باللہ کا کیا مفہوم ہے؟ قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ ہمیں پتہ لگنا چاہئے ورنہ محض یہ کہنا کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں محض یہ کہنا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ ایک ہے وہ جنت میں چلا گیا تو اس کا یہ مفہوم نہیں تھا کہ اگر مارگولیتھ یا کسی اور مستشرق معاندِ اسلام نے کتاب پڑھتے ہوئے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا تو وہ جنت میں چلا گیا بلکہ مطلب یہ تھا کہ جو شخص یہ گواہی دیتا ہے اپنے دل سے بھی اور اپنی زبان سے بھی اور جوارح سے بھی کہ مَیں اس اللہ کو اس طور پر مانتا ہوں جس طور پر اور جس طریقے پر اللہ کو قرآن کریم نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے تو جنت میں چلا گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پھر وہ جنت ہی میں گیا کیونکہ پھر تو اس کی اپنی زندگی کوئی نہ رہی پھر تو اللہ کے دَر پر بیٹھا اور اپنا سب کچھ دُنیوی اموال بھی اور اپنا نفس بھی اس کے حضور پیش کر دیا اور وہ خالی ہاتھ ہو گیا اور اس نے اپنے رب کو کہا کہ اے خدا! تیری رضا کے لئے مَیں اپنا سب کچھ چھوڑتا ہوں اور تُو میری رُوح کو اپنی محبت اور پیار سے بھر دے۔ پھر وہ اللہ کو ماننے والا بھی ہوا اور اُسی کے لئے ''اَعْظَمُ دَرَجَةً'' بھی کہا جا سکتا ہے۔

محض یہ کہنا کہ ہم آخرت پر ایمان لائے ہیں کافی نہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آخرت کا کیا مفہوم قرآن کریم نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس پر ہمارے لئے ایمان لانا ضروری ہے محض یہ کہہ دینا کہ ہم رُسل پر ایمان لائے ہیں یہ کافی نہیں ہے کیونکہ بے چارے معصوم رُسل تو ایسے بھی تھے جن پر ہر قسم کی تہمت ان کے اپنے ماننے والوں نے لگا دی پس ان اشیاء پر، ان تہمتوں پر، ان الزاموں پر، اس افتراء پر ہمارے لئے ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ رُسل پر اس معنی میں ایمان لانا ضروری ہے جو قرآن نے ہمارے سامنے رکھا ہے ان کی وحی پر

اس معنی میں ایمان لانا ضروری ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اس معنے میں ضروری ہے اور اس مقامِ ارفع پر ایمان لانا ضروری ہے جو مقام کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں بتایا ہے۔خود قرآن عظیم پر وہ ایمان لانا ضروری ہے جو خود قرآن کہتا ہے کہ مجھ پر اس طرح ایمان لاؤ محض یہ کہہ دینا کہ ہم قرآن کریم پر تو ایمان لاتے ہیں لیکن اپنے اقتصادی مسائل کے حل کے لئے ہم امریکہ جائیں گے تو یہ قرآن کریم پر ایمان کوئی نہیں کیونکہ اگر قرآن کریم پر وہ ایمان ہو جو قرآن کریم کہتا ہے مجھ پر رکھو، جو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ قرآن کریم پر رکھو تو پھر یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور وہی حقیقی ایمان ہے۔

قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ ایک کامل اور مکمل کتاب ہے۔اگر ہماری زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ ہو کہ جس کو سُلجھانے کے لئے ہمیں قرآن کریم کی بجائے امریکہ یا رُوس کے پاس جانا پڑے تو ہمیں یہ اعلان کرنا پڑتا ہے یوں زبان سے نہیں کہیں گے لیکن عملاً ہم یہ اعلان کر رہے ہوں گے کہ (نعوذ باللہ) قرآنِ کریم کامل نہیں، ناقص ہے اور اس نقص کو دُور کرنے کے لئے قرآن عظیم کو چھوڑ کر ہمیں امریکہ جانا پڑا یا روس جانا پڑا۔

پس قرآنِ عظیم پر محض زبانی ایمان کافی نہیں اس رنگ میں اور اس طور پر ایمان لانا ضروری ہے جو خود قرآنِ عظیم نے کہا ہے کہ اس طرح مجھ پر ایمان لاؤ یہی حال ایمان بالآیات اور ایمان بالغیب کا ہے پس جہاں جہاں بھی ایمان ''بِا ل'' کا سوال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فلاں پر ایمان لاؤ وہ ہمیں خود قرآن کریم سے تلاش کرنا پڑے گا کہ کس معنے میں یہ کہا گیا ہے کہ ایمان لاؤ۔

آج میں مختصر ہی خطبہ کرنا چاہتا ہوں اسی تمہید پر ختم کروں گا میرا ارداہ ہے کہ ایمان کی جو تفاصیل ہیں کہ اللہ پر ایمان لاؤ، رُسل پر ایمان لاؤ، غیب پر ایمان لاؤ اور پھر ان پر جو وحی ہوئی ہے اس پر ایمان لاؤ، حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، قرآنِ عظیم پر ایمان لاؤ، انہیں واضح کروں۔

لفظ ''ایمان'' جب عام ہو بغیر صلے کے وہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ قرآنِ کریم سے نکال کر

دیکھا جائے کہ ان سارے ایمانوں کے کیا معنے ہیں تا کہ ہمارے ایمان میں تازگی اور ہماری رُوح میں بشاشت پیدا ہو۔

پس انشاءاللہ میں ایمان باللہ سے شروع کروں گا کیونکہ وہی مرکزی نقطہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اللہ کے لفظ کے اس مفہوم کو سمجھنے کی (جس مفہوم اور معنے میں قرآنِ کریم نے اللہ کے لفظ کو استعمال کیا ہے) ایک کنجی اور مفتاح بھی ہمیں دے دی ہے اور یہ ایسی کُنجی ہے جس سے اَور بہت سے مضامین بھی کُھل جاتے ہیں۔

میرا ذاتی تجربہ یہی ہے کہ جب قرآن کریم کوئی اصطلاح یا کوئی لفظ استعمال کرے تو خود قرآن کریم میں دیکھو کہ وہ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے پس اللہ کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم کو شروع سے آخر تک دیکھنا پڑتا ہے کہ اللہ جو اسم ذات باری ہے قرآن کریم کس مفہوم میں اس لفظ کو، اس اصطلاح کو استعمال کرتا ہے یعنی کون سی صفات ہیں جن سے قرآن کریم اللہ کو متّصف کرتا ہے (غرض مختصر ہی مجھے کہنا پڑے گا) یہ مضمون بڑا لمبا ہے لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ ایمان کے سارے حصوں کو لے کر یہ بتاؤں کہ قرآن کریم نے ان کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے اور ہم سے قرآن کریم کیا مطالبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے جب وہ یہ کہے کہ ایمان باللہ ہونا چاہئے تو کیا مراد ہے؟ جب وہ یہ کہے کہ ایمان بمحمد صلے اللہ علیہ وسلم ہونا چاہئے تو کیا مراد ہے؟ جب اللہ یہ کہے کہ ایمان بالقرآن ہونا چاہئے تو کیا مراد ہے؟ جب اللہ یہ فرماتا ہے کہ ایمان بالآخرہ ہونا چاہئے تو کیا مراد ہے۔ خود قرآن کریم ہمیں بتائے گا کہ کیا مراد ہے جب وہ ایمان بیوم آخر ہو تو اس سے کیا مراد ہے؟ ایمان بآیات اللّٰہ سے کیا مراد ہے؟ جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ اور پھر اس کے بعد مَیں بتاؤں گا کہ ایمان آگے دو شاخوں میں کس طرح تقسیم ہوتا ہے۔ ایک ہجرت جس کے انعام کا ذکر یہاں قرآن کریم نے رضوان سے کیا ہے اور دوسری شاخ مجاہدہ ہے جس کا انعام ''جنّتِ نعیم'' میں بیان کیا گیا ہے یہ دونوں دراصل خدا تعالیٰ کی رحمت کے جلوے ہیں اور دونوں کا تعلق جزا کے لحاظ سے رحمت کے ساتھ اور مطالباتِ الٰہیہ کے پورا کرنے کے لحاظ سے ایمان کے ساتھ ہے۔

پس ایمان ہو اس کے تقاضے پورے کئے جائیں جب اس کے تقاضے پورے کرنے کا

سوال پیدا ہوتو وہ اصولی طور پر دو قسم کے تقاضے ہیں ایک کو ہم ہجرت کہتے ہیں ایک کو ہم مجاہدہ کہتے ہیں اور جب ایمان ہو گا اپنے صحیح مفہوم کے ساتھ، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول دو شکلوں میں ہوگا ایک رضوان کی شکل میں اور ایک جنّتِ نعیم کی شکل میں۔ پس یہ مفہوم ان مختصر سی آیات میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے خطبہ سے اس کے اس مضمون کو انشاء اللہ تفصیل سے بیان کروں گا۔ وَمَا تَوفِيقِى اِلَّا بِاللّٰهِ۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا ملک اِس وقت ایک نازک دَور میں سے گزر رہا ہے مارشل لاء لگا ہوا ہے اور مارشل لاء نے عوام کو یہ کہا ہے کہ اپنی مرضی سے انتخاب کرو جس میں کوئی دباؤ نہ ہو یا کوئی لالچ نہ ہو اور منتخب نمائندے پھر اس ملک کا دستور بنائیں پھر اس کے مطابق یہاں کی حکومت قائم ہو۔ غرض بہت ہی اچھا کام ہے جو اس مارشل لاء نے کیا لیکن بڑی ذمہ داری عائد کر دی ہے پاکستانی شہری پر اور پاکستانی شہریوں کی اکثریت چونکہ باوجود عقل اور ذہانت رکھنے کے زیادہ پڑھی لکھی نہیں اور مظلوم ہونے کی وجہ سے بیچاروں کے پاس بہت سے ایسے وسائل بھی نہیں ہیں کہ وہ صحیح حالات کا پتہ لے سکیں اس لئے جو مختلف نعرے لگائے جاتے ہیں اُن سے کوئی دماغ کسی نعرہ سے مرعوب ہو جاتا ہے کوئی دوسرا دماغ کسی دوسرے نعرہ سے مرعوب ہو جاتا ہے اور حکومت جو آگے قائم ہونے والی ہے اور پاکستان ہمارا ملک جو ہے اور پاکستانی ہمارے شہری جو ہیں ان کے متعلق کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کس جہت کی طرف ان کی سیاسی حرکت ہوگی۔ چونکہ ہر حرکت اور ہر سکون اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشاء سے ہی ہوتا ہے اس لئے ہم سب احمدیوں کو اپنے رب کے حضور عاجزانہ جُھک کر اس سے یہ دُعا کرنی چاہئے کہ اے ہمارے رب! ہمارے ملک اور ہماری قوم پر رحم کر اور ان کی ہدایت کے سامان پیدا کر اور ان کو وہ راہ دکھا جو ایک شاندار اور پُر امن اور تیرا اطاعت گزار ملک بننے کی راہ ہو۔ تیری رضا کو بھی وہ حاصل کریں اور اس دُنیا میں جو نعمتیں اپنے فضل سے تُو نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اُن نعمتوں سے سارے کے سارے مِل جُل کر زیادہ سے زیادہ فائدے اُٹھانے والے ہوں اور تیری حمد کرنے والے ہوں پس یہ دُعائیں آجکل بڑی کثرت سے کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ آمین (روزنامہ الفضل ربوہ یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء صفحہ ۲ تا ۶)